© rasailojaraid.com

خصوصی انٹرویو

جناب مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب مرحوم سے مدیر بیدار ڈائجسٹ جناب ملک احمد سرور نے ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ئ؁ کو مختلف موضوعات پر ایک تفصیلی انٹرویو کیا شہید صدر ضیاء الحق کے بارے میں کیا گیا انٹرویو بیدار ڈائجسٹ کے پرچہ اگست ۱۹۹۱ئ؁ میں شائع ہوا۔ ہم یہ انٹرویو دوبارہ اسی پرچے سے نقل کر رہے ہیں مگر افسوس کہ انٹرویو کا دوسرا حصہ جو ملک کی دینی جماعتوں، عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں۔ افغانستان اور عالم اسلام کے مسائل کے بارے میں تھا ملک صاحب سے ضائع ہو گیا۔

سوال: شہید ضیاء الحق سے آپ کی ملاقاتیں ہوئی ہوں گی، ان ملاقاتوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب: شہید صدر ضیاء الحق سے میری چار پانچ ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ حکمرانوں میں سے میں صدر ایوب اور چوہدری محمد علی سے بھی مل چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ صدر ضیاء جتنا زیرک، ذہین وفطین، مخلص اور ملنسار انسان میں نے نہیں دیکھا۔ میں ایک چھوٹا سا انسان ہوں، اس کے باوجود وہ دروازے پر آکر میرا استقبال کرتے اور واپسی پر دروازے تک چھوڑنے آتے۔ ضیاء الحق بہت مخلص، مومن اور اسلام کا درد رکھنے والے انسان تھے۔ میرے جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدمیوں سے بھی تعلقات تھے یا ہیں صرف اسلام کے واسطے سے ہیں۔ اسلام کا نام لے کر میرے کان پکڑ کر جہاں چاہے کوئی لے جائے۔ شہید صدر سے بھی میرے تعلقات اسلام کے واسطے سے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اسلامی نظام کے لیے بہت درد رکھتے تھے۔ وہ پاکستان میں اس کا نفاذ چاہتے تھے۔ اسلامی نظام کے سلسلے میں میں نے جو بھی کتابیں لکھی ہیں یا میں نے یہاں پر اپنے سیل (دیال سنگھ لائبریری) میں جو بھی کتابیں لکھوائی ہیں، یہ سارا کام انہی کے کہنے پر ہوا۔ وہ اس لائبریری میں خود تشریف لائے تھے خطوط کے ذریعے بھی اور ملاقاتوں میں بھی وہ مشورے دیتے رہتے تھے۔ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر یہاں جتنے بھی پمفلٹس اور کتابچے شائع ہوئے ہیں۔ انہی کی ہدایت پر شائع ہوئے ہیں۔ اسلامی فکر کے متعلق ایک معیاری سہ ماہی، تحقیقی اور علمی رسالہ "منہاج" ۱۹۸۳ء میں شائع کرنا شروع کیا۔ اس میں کرنٹ مسائل پر علماء کی رائے شائع کی جاتی ہے یہ رسالہ بھی ضیاء الحق کی ہدایت پر جاری ہوا۔

میری ان سے پہلی ملاقات آرڈیننس ملیں لاہور میں ہوئی تھی۔ خود انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ ملاقات میں انہوں نے لائبریری کے بارے میں معلومات دریافت کیں۔ کام کو تیز کرنے کے لیے مشورے طلب کئے۔ میری تجاویز کی روشنی میں وہیں سے انہوں نے ہدایات جاری کیں۔ کام تفویض کئے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتا ہوں۔ لیکن اسلام کا جتنا لٹریچر ہے وہ تو زیادہ تر عربی میں ہے۔ لہٰذا ایک تو آپ یہ کام کریں کہ فقہ اسلامی کی کسی بڑی کتاب کا عربی سے اردو ترجمہ کروائیں، دوسرے آپ خود بھی کتابیں لکھیں اور دوسروں سے بھی لکھوائیں اسکے بعد ایک ملاقات قائداعظم لائبریری میں ہوئی۔ وہاں ایک تقریب تھی، جس میں میں نے بھی تقریر کی تھی۔ انہوں نے میری تقریر کے بعض نکات سے اختلاف بھی کیا۔ جب وقت انہوں نے مجھے ستارہ امتیاز دیا اس وقت بھی ملاقات ہوئی۔ دیال سنگھ لائبریری میں جب وہ ملنے آئے تو آدھ گھنٹہ بیٹھے رہے۔ اس دوران میں انہوں نے لائبریری اور میرے ذاتی معاملات پر گفتگو کی۔ ایک اور ملاقات ۱۹۸۵ء میں نظریاتی کونسل کے اجلاس میں ہوئی۔ وہاں مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب بھی موجود تھے۔ اس ملاقات میں ہم نے ان سے اسلامی نظام کے نفاذ میں تاخیر کے بارے میں پوچھا۔ اس پر انہوں نے کہا " آپ لوگ جلد بازی کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھ پر روس اور امریکہ کا بہت دباؤ ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں میں کتنی مشکل سے آگے بڑھ رہا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اسلام نافذ تو کر دوں گا مگر میں زندہ نہیں رہوں گا" (یعنی روس اور امریکہ قتل کرا دیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا ۔ ادارہ)۔

سوال: جہاد افغانستان میں ضیاء الحق نے ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ مگر اس کے باوجود بعض دینی راہنماؤں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ان کا کردار منافقانہ اور اقتدار کو طول دینے کی خاطر تھا؟

جواب: اس سے بڑھ کر کوئی بہتان نہیں ہو سکتا۔ ضیاء الحق نے جو کام کیا ہے قوم اگر قیامت تک اس کا شکریہ ادا کرے تو نہیں کر سکتی۔ ضیاء الحق اگر سرخ طوفان کے سامنے چٹان بن کر کھڑا نہ ہو جاتا تو پھر لاہور کیا، عالم اسلام کا کوئی کونہ بھی اس سرخ طوفان سے نہ بچ سکتا۔ انہوں نے پہاڑ بن کر کمیونزم کے سرخ سیلاب کو روکا۔ افغانوں نے ہماری لڑائی لڑی۔ عالم اسلام اور پاکستان کے دفاع کی لڑائی لڑی۔ افسوس تو یہ ہے کہ جونیجو دور میں ضیاء الحق کی تجویز نہ مانی گئی۔ اور جنیوا معاہدہ ہو گیا ورنہ چند ہفتوں بعد وہی ہوتا جو جنیوا معاہدہ کے بعد ہوا (یعنی روسی فوجوں کی واپسی)۔ مگر ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپائی ہوئی۔ ضیاء الحق ایک دور اندیش اور صاحب بصیرت جنرل تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ روس اب افغانستان ٹوٹ گیا اور کہیں بھی نہیں ٹک سکتا، اس لیے وہ جنیوا معاہدہ کو ملتوی کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر افسوس کہ جلد بازی نے امریکی منصوبوں کو کامیاب کروا دیا۔ ضیاء الحق کے خلاف دینی جماعتوں کا کردار نہایت افسوسناک ہے۔

سوال: ضیاء الحق کے بارے میں یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ایک طرف تو علماء کی عزت و تکریم کرتے تھے اور جیسا آپ نے خود کہا کہ دروازے تک چھوڑنے آتے تھے، دوسری طرف علماء سے ملنے کے بعد اسی جگہ فلمی اداکاروں اور گلوکاروں کو بھی اسی عزت و تکریم سے ملتے تھے۔ نور جہاں اور مسرت نذیر کے گانے بھی سنتے تھے اور اپنے بیٹوں کی شادی پر محفل موسیقی کا انعقاد بھی کرتے تھے۔ کیا یہ منافقت نہ تھی؟

جواب: جنرل ضیاء الحق دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ اور نہ وہ کسی گدی کے سجادہ نشین تھے۔ وہ عام دنیا کے انسان تھے۔ ایک دنیا دار دنیا میں رہنے والے تھے ان کے ذاتی خیالات بھی تھے۔ مثلاً موسیقی سننے کو وہ معیوب نہ سمجھتے تھے۔ یا ملک کے صدر ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حیثیت سے ان اداروں کے لوگوں سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا، رکھتے تھے لیکن یہ سمجھ لینا کہ وہ ان کو بھی وہ عزت دیتے تھے، جو علماء کو دیتے تھے نہایت غلط ہے ... ٹھیک وہ فلمی لوگوں سے بھی روابط رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جو ان کے پاس جائے گا وہ اسے نکال تو نہیں دیں گے ایک اچھا خلیق اور ملنسار آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ اب بہت کم لوگ ہیں جو محتاط زندگی گذار سکتے ہیں جو ٹی وی نہیں دیکھتے اور ریڈیو نہیں سنتے۔ اس وبا سے بچنا اب اتنا آسان نہیں رہا جتنا سمجھا جا رہا ہے۔ وہ کوئی عالم نہیں تھے۔ ایک سیاستدان اور ایک جنرل تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جنرلوں میں وہ کیسے جنرل تھے اور سیاست دانوں میں کیسے سیاست دان تھے۔ آپ جنرلوں کی زندگی سے واقف ہیں اور سیاست دانوں سے بھی۔ وہ جنرلوں میں ایک اچھے جنرل اور سیاست دانوں میں ایک اچھے سیاست دان تھے۔

اس آدمی نے پوری آرمی کے مزاج کو تبدیل کر دیا۔ میں ایک دفعہ ایک ائیر بیس (AIR-BASE) گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک جلسہ تھا۔ جلسے کے بعد کلب میں کھانا کھانے گیا تو وہاں دو تین افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ جو آدمی تھا اس نے کہا "آپ کلب کا یہ جو حال دیکھ رہے ہیں۔ ٹی وی چل رہا ہے اور تین چار آدمی بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ پانچ سال پہلے آتے یا ضیاء الحق سے پہلے آئے ہوتے تو اس کلب میں عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع دیکھتے۔ شراب کے جام چلتے اور مخلوط رقص ہوتے۔"

ضیاء الحق نے آرمی میں اسلامی روح اور جہاد کا جذبہ ابھارا۔ یہ بہت مشکل کام تھا جس کو اس نے کیا۔
پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے ہمسائے میں ایک موسیقار گلوکار رہتا تھا۔ ایک دن معلوم ہوا کہ شراب پی کر شور مچانے پر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ امام صاحب کو پتہ چلا تو آپ ضمانت پر اسے چھڑوا لائے۔ وہ اکثر گایا کرتا تھا "ہم کو ضائع کر دیا لوگوں کو معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں تو ضائع نہ کرتے۔"
امام صاحب جب چھڑا کر لائے تو اس سے کہا "بھائی میں نے تو تمہیں ضائع نہیں کیا" کیا امام ابو حنیفہؒ بھی منافق تھے۔

سوال : ضیاء الحق کے حامیوں کا کہنا ہے کہ وہ ایک با اصول انسان تھے۔ انہوں نے بھٹو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیاثا، اور سعادت بلوچ جیسے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پھانسی پر لٹکا دیا اور بڑے سے بڑے دباؤ کا بھی اثر نہ لیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب شبنم ڈکیتی کا کیس آتا ہے تو ضیاء الحق مجرموں کی رہائی یا سزا کی معافی پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر کیوں؟

جواب: شبنم ڈکیتی کیس صوبائی سطح کا مسئلہ تھا اور جنرل سوار خان اس کا ذمہ دار تھا۔

سوال: شہید ضیاء الحق نے حدود کا نفاذ تو کیا مگر اس پر عمل درآمد ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ حدود کے نفاذ کے بعد سرِ عام عصمت دری کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ کسی ایک فرد کو بھی نہ سو کوڑے لگے اور نہ کوئی سنگسار ہوا؟

جواب: شہید ضیاء الحق جج بن کر عدالت میں آ کر بیٹھتے تب ان پر یہ اعتراض ہوتا۔ کسی ملک کے سربراہ کی ذمہ داری حدود و قوانین کے نافذ کرنے کی ہوتی ہے۔ ضیاء الحق نے یہ کیا۔ عمل کرنا عدالتوں کا کام ہے۔ میں نے خود ایک کیس کی رپورٹ پڑھی تھی جج نے لکھا تھا کہ اگرچہ ملزم چوری کرتا ہوا پکڑا گیا، مال بھی اس کے پاس موجود تھا، گواہ بھی موجود تھے، اسلامی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹنا چاہیے تھا چونکہ ہاتھ کاٹنا انسانیت کے خلاف عمل ہے اس لیے میں اسے چھ ماہ قید کی سزا دے رہا ہوں۔

پھر شریعت اسلامی کا منشاء یہ ہرگز نہیں کہ صبح و شام آدمیوں کے ہاتھ کاٹے جائیں یا سنگسار کیے جائیں۔ شریعت نے جو سخت سزائیں رکھی ہیں۔ ان کا منشاء صرف یہ ہے کہ آدمی میں خوف پیدا ہو اور جرائم کم ہوں۔

سوال: میرا مطلب بھی یہی تھا مگر جرائم میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا۔ کیوں؟

جواب: ہرگز نہیں۔۔ جرائم کی رفتار میں پوری دنیا میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ کہنا کہ حدود کے نفاذ کی وجہ سے ہوا ہے غلط ہے۔ پھر جب تک نفاذ صحیح نہ ہو سکے جرائم کیسے کم ہوں گے۔ پرچہ پولیس بنائے گی۔ گواہ بھی وہ لائے گی۔ فیصلہ جج کریں گے۔ پورے کا پورا جب آوا بگڑا ہو تو جنرل ضیاء کیا کر سکتے تھے۔ مقدمہ مجسٹریٹ کے بعد جج کے پاس جاتا ہے اور معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ جج کی عدالت سے بھی اگر سزا ہو جاتی ہے تو شریعت کورٹ میں گواہ غیر معیاری ثابت ہونے پر ملزم رہا ہو جاتا ہے۔ پھر امام اعظم حنیفہؒ کی ذ... تو آسانیاں بہت ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شبہ کا فائدہ ملزم کو جاتا ہے۔ اب ضیاء الحق، پولیس عدلیہ کی تنظیم نو اور اسلامی تربیت کیسے کرتے وہ تو ایڈہاک سربراہ تھے۔

سوال: ضیاء الحق کے دور کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کرپشن، رشوت، ڈاکے غرضیکہ ہر برائی جو معاشرے کو تباہ کرتی ہے، اس میں اضافہ ہوا۔

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں کرپشن میں اضافہ ہوا۔ مارشل لاء کے دور میں ہمیشہ کرپشن میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ آئین معطل ہوتا ہے۔ پولیس انتظامیہ اور بیوروکریسی کے اختیارات میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ صرف ضیاء دور میں ہوا بالکل غلط ہے جونیجو دور میں بھی ہوا۔ جونیجو دور میں تو لوگ سڑکوں تک کھا گئے۔ سکول کے سکول ختم ہو گئے۔

سوال: شہید ضیاء الحق سے دینی جماعتوں نے تعاون کیا ان میں جماعت اسلامی، جمعیت العلماء اسلام (درخواستی گروپ) اہل حدیث وغیرہ شامل ہیں۔ مگر یہ حلیف جماعتیں بھی ضیاء الحق کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ اگر ضیاء مخلص تھے تو پھر ایسا کیوں ہوا؟

جواب: ان جماعتوں کے پیش نظر اسلام کا نفاذ نہیں تھا کہ ضیاء نے نافذ نہ کیا اور وہ ضیاء کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ ان جماعتوں کے پیش نظر آتے والے الیکشن تھے۔ اقتدار کا حصول تھا۔ ان میں کوئی معاشی نظام کے نام پر اور کوئی اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کرسی پر بیٹھنا ہی ان کا مطمع نظر تھا۔ جب ان جماعتوں نے محسوس کیا کہ اس آدمی کے ساتھ تعاون سے ان کا سیاسی مستقبل خراب ہو جائے گا تو وہ علیحدہ ہو گئے۔ خود سوچیئے ان دینی جماعتوں نے یہ سب کچھ جمہوریت کی خاطر کیا جس جمہوریت میں جاہل اور عالم متقی اور شرابی سب کا برابر کا ووٹ ہے۔ یہ جماعتیں جو جمہوریت، جمہوریت پکارتی ہیں۔ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں جب تک انہوں نے جمہوریت کا نعرہ لگایا۔ ان کے جلوسوں میں بہت کم لوگ آئے جب نظام مصطفےٰ کا نعرہ بلند ہوا تو سڑکیں بھر گئیں۔ جب مارشل لاء لگ گیا تو ضیاء الحق نے انہیں بلا کر کہا کہ نظام مصطفےٰ قائم کر دو تو پھر ان لوگوں نے کیوں نہ قائم کیا۔ کیونکہ یہ لوگ سوچتے تھے کہ نظام مصطفےٰ کے قیام سے ان کا سیاسی مستقبل خراب ہو جائے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ نظام مصطفےٰ میں کہاں لکھا ہے کہ الیکشن کراؤ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ اندھا اور آنکھ والا برابر ہیں۔ ان کی جمہوریت میں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیف جسٹس کا بھی ایک ووٹ ہے اور سویپر کا بھی۔ میں نے ہمیشہ ان لوگوں (علماء) سے پوچھا ہے کہ یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ مغربی جمہوریت کیسے اسلامی نظام سے مطابقت رکھتی ہے۔

سوال: اتنے مخلص آدمی نے جہاد افغانستان پر اپنی جان بھی قربان کر دی پھر بھی وہ پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے میں کیوں ناکام رہا؟

جواب: معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ایک فرد کے بس کا روگ نہیں۔ اگر ہر طرف سے انہیں تعاون ملتا۔ علماء کی طرف سے سیاست دانوں کی طرف سے تو تب یہ کام ہو سکتا تھا۔ حضورؐ نے جو نمونہ پیش کیا وہ دیکھ لیں کہ صحابہ کرامؓ نے کس طرح آپ کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ قرآن میں حکم ہے کہ نیکی کے کاموں میں تعاون کرو مگر کسی نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انٹرویو

نوجوان صحافی جناب تنویر قیصر صاحب نے مولانا ہاشمی مرحوم سے انکے مرض الوفات میں گرفتار ہونے سے چند روز قبل، ایک انٹرویو کیا۔ ہم اس انٹرویو کا مولانا کی ذات سے متعلق ضروری حصّہ بشکریہ ہفت روزہ زندگی لاہور (۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء) قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔
(ادارہ)

"میں نے زندگی میں کوئی اہم کام نہیں کیا ہے۔ مادی اعتبار سے میں بڑا ہوں نہ علمی اعتبار سے میری ذات میں آخر آپ کو ایسی کونسی انفرادی عظمت نظر آتی ہے کہ آپ دوسرے تیسرے روز میرے دفتر میں آنے کی تکلیف کرتے ہیں اور میری زندگی اور "کارناموں" کے بارے میں استفسار کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں؟"

مولانا سیّد متین ہاشمی لاہور کی معروف ترین سڑک "نسبت روڈ" پر واقع دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے ایک بغلی دفتر میں تشریف فرما تھے اور میں ان کی ڈانٹ سُن رہا تھا۔ یہ الفاظ انہوں نے میرے مسلسل "تعاقب" سے تنگ آکر ہی ارشاد فرمائے تھے، جن میں اپنی ذات کے حوالے سے انکساری ٹپک ٹپک پڑ رہی تھی۔ ٹیلی ویژن پر ان کی مؤثر علمی گفتگو سُن کر ان گنت لوگوں کی طرح میں بھی ان کے حلقہ محبت و ارادت میں شامل ہو گیا تھا۔ اکثر ملاقاتیں دیال سنگھ لائبریری سے ملحقہ ان کے صاف ستھرے اور سادہ دفتر میں ہوتیں۔ ان کے مزاج میں سادگی اور اپنائیت کا عنصر واقعتاً کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر نصف گھنٹہ تک مجھے ان سے اپنی استعداد کے مطابق متعدد بار علمی خوشہ چینی کے مبارک مواقع میسر آئے۔ مجھے پہلی بار ان کی خدمت میں میرے دوست اور دیال سنگھ لائبریری کے چیف لائبریرین محترمی نصرت علی اثیر لے گئے تھے۔

متین ہاشمی، جن کے بارے میں جب خیال آتا ہے کہ اب اس دنیائے رنگ و بو میں نہیں ہیں تو دل مسوس کر کے رہ جاتا ہے۔ خدا ان کو غریقِ رحمت کرے۔ وہ مجھ ایسے مبتدی اور بے حیثیت و بے علم انسان پر جس طرح لطف و کرم فرماتے تھے یہ ان ایسے بے لوث انسان ہی کے کردار کا حصّہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ صبر و تحمل اور انکسار ان کی شخصیت کے نمایاں ترین عناصر تھے۔ ساری عمر دینی علم کے حصول اور اس کی تبلیغ و تقسیم میں گزاری۔ سینکڑوں، ہزاروں نہیں، بلا مبالغہ لاکھوں اور ان سے فیض یاب ہوئے، لالچ کی ہوائیں ان کو اپنے گرداب میں پھنسا نہ سکیں۔ دولت و اقتدار سے ہمیشہ دور رہے۔ درویشی اور فقر کا یہ عالم کہ ساری عمر اپنا گھر نہ بنایا۔ رزقِ حلال کی فکر نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ ایک کٹیا کھڑی کر لیں جس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا جا سکے۔ وہ اپنی شخصیت کو اگر دنیوی مال و منال اکٹھا کرنے کے لیے بطور لیور استعمال کرنے پر اتر آتے تو محل کھڑا کر سکتے تھے مگر ہمیشہ دنیا کو سرائے جانا اور خود کو "بنجارہ"! میں ذاتی حیثیت میں لاہور کے تین ایسے مولویوں کو جانتا ہوں جنہیں مولانا متین ہاشمیؒ نے نہ صرف اوقاف میں ملازمتیں دلوائیں بلکہ (سابق) گورنر پنجاب مخدوم سجاد حسین قریشی کی سفارش سے انہیں لاہور کے بہترین علاقوں میں رہائشی پلاٹ بھی دلوائے۔ اپنے بارے میں اکثر فرماتے: "کچھ عمر گزر گئی ہے، تھوڑی سی رہ گئی ہے، کیا کرنا ہے یہ (مکان وغیرہ) سب کچھ بنا کر"۔ ایسے میں قریب بیٹھے احباب عرض کرتے، مولانا، اولاد کے کام آئے گا اور بھی لوگ آخر کرتے ہی ہیں ناں۔ چہرے پر سنجیدگی طاری ہو جاتی۔ پھر توقف سے آہستگی سے ارشاد ہوتا: "لوگ تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں۔ کیا میں بھی وہ سب کچھ کرنے لگوں؟" سب کے منہ پر تالے لگ جاتے۔

جس روز ان پر فالج کا حملہ ہوا، میں اس سے چند روز قبل ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ سہ ماہی "منہاج"، جس کے وہ مدیر اعلیٰ تھے اور ایک بلند پایہ علمی جریدہ ہے، کے "حقوق نسواں نمبر" پر گفتگو ہو رہی تھی۔ خوش ہو کر فرمایا: "برخوردار! مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہو رہی ہے کہ آپ کو پڑھنے کا خاصا ٹھرک ہے"۔ ہمیشہ "آپ" کہہ کر بلانا اور مخاطب ہونا ان کی پہچان تھا۔

اس روز متین ہاشمی صاحب خوشگوار موڈ میں تھے۔ میں نے عرض کیا: علامہ صاحب، سراج بھائی کی وفات کے بعد کبھی ان کی یاد نے آپ کو ستایا؟ وہ مسلسل دس منٹ خاموش رہے۔ مجھے تسلسل کے ساتھ گھورتے رہے۔ پھر سپاٹ لہجے میں فرمایا: "جس روز ہفت روزہ "ندا" میں اقتدار صاحب کا مضمون سراج کے بارے میں شائع ہوا اور چند روز بعد جعفر قاسمی صاحب نے مضمون شائع کیا، یہ دونوں مضامین شائع ہوئے تو میرے ایک واقف کار نے دونوں رسالے لا کر دیے۔ میں نے دونوں پڑھے۔ اس روز سراج کی یاد نے بہت تنگ کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس وطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بالکل اجنبی کی طرح ہوں، تنہا ہوں۔ اس روز سراج کی یہ بات میرے دماغ میں بار بار گونجتی رہی جب اسے ایک بیرون ملک اشاعتی ادارے میں بہت اچھے مشاہرے پر ملازمت ملی تو اس نے کہا تھا: "پاپا! میں آپ سب کو اپنے ساتھ لے چلتا ہوں لیکن میں نے اسے اس ملازمت پر نہ جانے دیا اور اسی وطن میں، جس کے دو دانشوروں نے مجھے بے آبرو کرنے کی کوشش کی، سراج بیٹے کو کام کرنے کو کہا"۔

یاد رہے کہ ہفت روزہ "ندا" میں اس کے مدیر جناب اقتدار احمد نے سراج منیر کی وفات پر ایک آرٹیکل شائع کیا جس کا ایک فقرہ تھا کہ میں سراج کے جنازے میں اس لیے دانستہ شریک نہ ہوا کہ وہ بہاری تھا اور بہاری مفسد ہوتے ہیں۔ اور پندرہ روزہ "آف دی ریکارڈ" میں معروف صوفی دانشور جناب جعفر قاسمی (اب یہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں) کا مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے سراج منیر (مرحوم) کو حکمرانوں کے دستر خوانوں کا...... قرار دیا تھا۔ ان دونوں مضامین کی اشاعت اور ان میں سراج منیر کے حوالے سے جس لہجے میں بات کی گئی تھی، صابر و شاکر سید متین ہاشمی کے دل کو چھلنی کر گئی۔ ایک ایسا عظیم شخص جس نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جو اپنا سب کچھ قربان کر کے پاکستان آیا، برسوں گزرنے کے باوجود، اس کی علمی اور دینی خدمات کو صرف نظر کرتے ہوئے اسے اور اس کی اولاد کی یہ پہچان قرار دینا کہ وہ بہاری ہیں اور بہاری .... ہوتے ہیں، کس قدر دل شکن و دل آزار باتیں ہیں، اس کا اندازہ صرف ہاشمی صاحب کا دل لگا سکتا تھا۔

اسی روز میں نے مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب سے ایک بار پھر انٹرویو کی درخواست کی تو انہوں نے وہی فقرہ دہرایا جو میں اس مضمون کے شروع میں نقل کر چکا ہوں۔ میں نے دوبارہ عرض کیا، "آپ کی یادداشتیں ریکارڈ پر آجائیں گی" اس لیے انہیں شاید میرے لہجے کی مسکینی پر ترس آگیا تھا، فرمایا: "ٹھیک ہے مگر بات مختصر ہوگی کیونکہ میرے سینے میں درد ہو رہا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ سراج اور حکمرانوں کا ذکر نہیں آئے گا"۔

خدا خدا کر کے شاہین "زیر دام" آرہا تھا، میں نے ان کی تمام شرائط کے سامنے سپر ڈال دی۔ وہ ہولے ہولے باتیں کرنے لگے۔ ہر سوال کا جواب مختصر تھا۔ اس دن کی بات چیت اب قارئین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"زندگی" کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ مولانا متین ہاشمی (مرحوم) کا یہ آخری انٹرویو ثابت ہوا۔ اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں انہوں نے فرمایا:

"میں ایک کھاتے پیتے خاندان میں پیدا ہوا۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۷ء میری تاریخ پیدائش ہے۔ مشرقی یوپی، غازی پور میرا آبائی گاؤں ہے۔ ہمارا تعلق زمیندار خاندان سے ہے۔ ہماری پردادی نے اپنی جائیداد وقف کر دی تھی، اس سے اچھا گزارہ ہو جاتا تھا۔ تعلیم کا آغاز میں نے اپنے وطن سے کیا۔ مروجہ علوم پڑھنے تو علی گڑھ چلا گیا۔ عربی، فارسی کے امتحانات میں نے پہلے ہی پاس کر لیے تھے۔ علی گڑھ کالج میں داخلہ لینے کے بعد انگریزی پڑھنے کا جنون سر پر سوار تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصے بعد اکتا کر دیوبند چلا گیا اور دارالعلوم میں داخلہ لے لیا۔ یہ جوانی کا سیمابی دور تھا۔ کسی ایک جگہ ٹک کر کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پاکستان کی تحریک زوروں پر تھی۔ اس میں دیوانہ وار کود پڑا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کی جمعیت علمائے اسلام کا میں آرگنائزر تھا۔ خاصا عرصہ میں نے ان کے ساتھ کام کیا اور ان کی فیض رساں شخصیت سے فیض یاب ہوا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو حضرت قائداعظمؒ سے بڑی محبت تھی اور یہ سلسلہ دو طرفہ تھا۔ عثمانی صاحب قائداعظمؒ کے کان میں مملکت خداداد کو اسلامی مملکت بنانے کا خیال ڈالتے رہتے تھے۔"

"ہاشمی صاحب، کبھی آپ سے عثمانی صاحبؒ نے قائداعظمؒ کے بارے میں کوئی بات کہی تھی؟" اس سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا: "ایک بات یاد ہے۔ ایک روز ہم سارے لڑکے عثمانی صاحب کی موجودگی میں قائداعظمؒ کی مغربی زندگی کے طور طریقوں پر تنقید کر رہے تھے۔ عثمانی صاحب نے فرمایا: میں نے جناحؒ کا ظاہر و باطن دیکھا ہے، ان کی خلوت و جلوت کا عینی شاہد ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کا ظاہر سخت مغربی ہے مگر ان کی باطنی زندگی کسی بھی دین دار عالم سے کم نہیں ہے۔"

"ہاشمی صاحب، کبھی قائداعظمؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی دیکھا قریب سے؟"

"قائداعظم کو متعدد بار دیکھا لیکن دور ہی سے۔ کبھی بالمشافہ گفتگو کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ مگر مولانا ابوالکلام آزاد سے دو بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت کرنے کا اعزاز ضرور حاصل ہوا۔ دیوبند سے ہم چند طالب علم اپنے اساتذہ کو بتائے بغیر مولانا سے ملنے دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلے آئے۔ ان دنوں ان کے رسالے "الہلال" کا بڑا چرچا تھا۔ علم و ادب سے ذرا سی بھی دلچسپی رکھنے والا شخص اس رسالے سے ضرور واقف تھا۔ ہم پہلی ملاقات کے لیے دہلی میں ان کی عارضی رہائش گاہ پر حاضر ہوئے۔ ایک خادم کے ہاتھ اپنے نام اور دارالعلوم کا نام لکھ کر اندر بھجوایا۔ فوراً بلوا لیا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو اٹھ کر ملے۔ گورا چٹا رنگ، چھوٹی چھوٹی داڑھی اور دبلے پتلے سے، سیاہ شیروانی زیب تن کر رکھی تھی ان کی شفقت آمیز باتوں کے باوجود جب انہوں نے ہم سے پوچھا کہ کس مقصد کے تحت ملنے آئے ہو تو مارے رعب کے ہمارے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔

دوسری ملاقات نہرو کے گھر ہوئی تھی الہ آباد میں اس ملاقات کے دوران میں عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ ایک نوعمر لڑکی کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا جو بڑا خوبصورت اور سرخ و سفید تھا، اندر باہر پھر رہا تھا بڑے سے بے باکانہ انداز تھے۔ ہم باہر نکلنے لگے تو میری پر تجسس طبیعت نے، ان دونوں کے بارے میں پوچھنے پر اکسایا۔ ملازم سے پوچھا تو اس نے حیرت سے ہماری طرف دیکھا اور کہا: یہ لڑکی پنڈت جی (نہرو) کی صاحبزادی ہیں اور وہ لڑکا خان صاحب کا بڑا بیٹا ہے۔ خان صاحب کی بات ہماری سمجھ میں نہ آئی۔ پوچھنے پر ملازم نے کہا: یہ لڑکا خان عبدالغفار خان کا بڑا بیٹا عبدالغنی خان ہے اندرا کے ساتھ پڑھتا ہے چھٹیوں پر یہاں چند دنوں سے آیا ہوا ہے۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی سے علیحدہ ہو کر متین ہاشمی صاحب دہلی چلے گئے۔ ان دنوں دہلی شہر میں مولانا عبدالوحید صدیقی "نئی دنیا" نامی ایک اخبار نکال رہے تھے۔ "میں نے اس اخبار کے نائب مدیر کے عہدے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ کام مجھے کچھ کچھ اپنی طبیعت کے مطابق لگاؤ کھاتے ہوئے محسوس ہوا۔ میں خاصا عرصہ "نئی دنیا" سے وابستہ رہا۔ مولانا وحید صاحب نے میرے کام سے خوش ہو کر تقریباً اخبار کا سارا کام میرے سپرد کر دیا تھا۔ اس دوران والدین کے مسلسل خطوط آتے رہے کہ فی الفور وطن آ جاؤ۔ میں اس کام سے دستکش نہیں ہونا چاہتا تھا مگر والدین کے احکام پر عمل کرتے ہی بنی، چنانچہ "نئی دنیا" کو چھوڑ کر اپنے وطن کی دنیا میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں تو کوئی بھی کام کرنے کو نہیں ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وقت گذارنے کے لیے کیا مشغلہ اختیار کیا؟
متین ہاشمی صاحب نے فرمایا: "ہمارے ہاں بریلویوں کا ایک اچھا اور مستحکم دینی ادارہ تھا "چشمہ رحمت اورینٹل کالج" اس کا نام تھا۔ میرے اپنے نظریات اگرچہ ان لوگوں سے لگا نہیں کھاتے تھے مگر اس کے باوجود میں نے دینی تعلیم کے حصول کے لیے وہاں داخلہ لے لیا۔ میں شروع ہی سے اعتدال پسند رہا ہوں۔ اسی وجہ سے میرا ان لوگوں سے کبھی کوئی جھگڑا بھی نہ ہوا یہاں تک کہ کالج کے مہتمم مجھ سے اتنے خوش ہوئے کہ مجھے کالج میں پڑھانے کی پیشکش کر دی جسے میں نے قبول کر لیا اور یوں میں "چشمہ رحمت اورینٹل کالج" میں لیکچرار ہو گیا۔ انہی دنوں مشرقی پاکستان میں میں ہمارے ایک عزیز کی وفات ہوئی تو میں تعزیت کے لیے وہاں گیا۔ وہاں کے ماحول نے مجھے اکسایا کہ "یہاں کام کرنا چاہیے" دین کے لیے۔ عوام دین سے خاصے بے بہرہ تھے اور حکومت بھی دین کے فروغ کے لیے کوئی کام نہیں کر رہی تھی۔ والدین نے اگرچہ مجھے وہاں سے واپس چلے آنے کا کہا مگر میں وہاں دینی کاموں میں جت گیا۔ میں اسلامی نظام حیات کو عوام اور حکومت کے درمیان زیادہ سے زیادہ اور سہل انداز میں پیش کرنا چاہتا تھا اور الحمدللہ میری کوششیں رائیگاں نہ گئیں۔ سونار دیس یعنی مشرقی پاکستان کا کوئی گاؤں، قصبہ، شہر اور تعلقہ ایسا نہیں تھا جہاں میں تبلیغ کے لیے خود اپنے ساتھیوں کو لے کر نہ پہنچا ہوں۔ ہر جگہ لوگوں نے تعاون کیا اور دین سے لاتعلقی کو واقفیت میں بدلنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا۔ مگر مشرقی پاکستان کا بنگالی مسلمان، ہندو دانشوروں کے زہر سے اتنا مسموم ہو چکا تھا کہ اسے ہر جگہ بنگلہ نیشنلزم کا پھریرا لہرا دینے کی تمنا تھی۔ ہمیں کئی مقامات پر ان لوگوں کی مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔"
مولانا سید متین ہاشمی صاحب سے جب یہ سوال کیا گیا کہ مشرقی پاکستان میں بنگلہ نیشنلزم نے کیسے فروغ پایا اور یہ کہ بنگالی رفتہ رفتہ مغربی پاکستان کے اتنے مخالف کیسے ہو گئے کہ اپنا علیحدہ وطن بنانے پر تل گئے؟ مولانا نے ارشاد فرمایا: "مشرقی پاکستان کے کالج میں جس کا نام قائداعظم ڈگری کالج تھا، بطور لیکچرر مجھے پڑھانے کا موقع ملا۔ اس کالج میں تقریباً انیس برس پڑھاتا رہا۔ اس دوران مجھے بہت سے واقعات کے حوالے سے بنگالی نوجوانوں کا ذہن پڑھنے اور ان کے منقلب ہونے اور ان کا مشاہدہ کرنے کے متعدد مواقع میسر آئے اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بھارتی ہندو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستہ اپنے ہندو پروفیسر، ڈاکٹر، تعلیمی ماہرین کو مشرقی پاکستان رکھا۔ ان لوگوں نے تعلیمی نصاب کے ذریعے مشرقی پاکستان کے نوجوانوں کو پہلے تو دینی اعتبار سے گمراہ کیا پھر یہ منفی پروپیگنڈہ کرکے ان کے ذہنوں کو مسموم کیا کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی ساری دولت ہڑپ کر گیا ہے۔ دوسری طرف اسی شر انگیز پروپیگنڈہ کا توڑ کرنے کے لیے مغربی پاکستان اور پورے پاکستان کے حکمرانوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ یہ اپنے جوڑ توڑ میں مصروف رہے اور ادھر ہندو اپنا کام کامیابی سے کرتا رہا۔ پھر یہ ہوا کہ مغربی پاکستان کے جو افسر مشرقی پاکستان جاتے ان میں سے اکثر سرتاپا مغربی زندگی میں ڈوبے ہوئے، دین سے بے تعلق۔ ان لوگوں کی حرکتیں بنگالی نوجوانوں نے دیکھیں تو محسوس کیا کہ مغربی پاکستان اسلام کے نام پر ہمارا استحصال کر رہا ہے، اسلام تو خود ان کے حکام کی نجی زندگیوں میں نہیں ہے۔ پھر مغربی پاکستان کے بعض سیاست والوں کے بعض بیانات کو بنگلہ پریس کے ہندو کارپردازوں نے اچھالا مثلاً فیروز خان نون نے بنگالیوں کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ تو ختنہ بھی نہیں کرتے، کالے بنگالی ہیں اور یہ کہ یہ توڑ ونگر ہیں۔ ان حالات میں مجیب اور بھاشانی نے فتنہ پردازی کرکے اپنے عوام کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور یہ آگ ایسی بھڑکی کہ مشرقی پاکستان کی جگہ بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرانے لگا۔"

"ہاشمی صاحب! ان حالات میں جب مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف محاذ بنائے جا رہے تھے، منفی پروپیگنڈہ عروج پر تھا، ہر جگہ ہنگامے اور فساد برپا ہو رہا تھا اور مسلم قومیت کی جگہ قومیت پروان چڑھنے لگی تھی، آپ کی طرف سے کیا کیا جا رہا تھا؟ اس سیلاب کے آگے کسی قسم کا بند باندھنے کی آپ نے کوئی کوشش کی؟"

ہم نے اس خوفناک سیلاب کو حدود سے تجاوز کرنے سے روکنے کے لیے بہت سے محاذوں پر کام کیا۔ لوگوں کے گھروں میں جا کر ہندو کی سازش سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران نظام اسلام پارٹی کا قیام عمل میں آگیا۔ ۱۹۵۷ء میں اس کا پہلا اجلاس لاہور میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ کی کوٹھی میں ہوا۔ مولوی فرید احمد اس کے جنرل سیکرٹری تھے۔ میں بھی اس اجلاس میں شریک ہوا۔ مجھے اس پارٹی میں شمالی بنگال کا صدر بنا دیا گیا تھا۔ ہم نے مشرقی پاکستان میں اسلامی قوتوں کو منظم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ ہم نے بنگالی قومیت کے خلاف ہر محاذ پر جہاد کیا۔ ۱۹۷۰ء میں، میں نے ملی مفاد کی خاطر سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر، انتخابات میں حصہ لیا۔ ایم۔ پی۔ اے کا انتخاب لڑا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کا کہنا ہے یہ منصفانہ انتخابات تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ مغربی پاکستان میں منصفانہ ہوں گے مگر مشرقی پاکستان میں منصفانہ نہیں تھے۔

"الیکشن کے دوران میں خود شیخ مجیب الرحمٰن نے مجھے بلایا اور دعوت دی کہ میں اس کے ساتھ مل جاؤں۔ اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ تین چار لاکھ روپیہ لے لو، کامیاب ہو جاؤ گے تو میں وزیر بھی بناؤنگا۔ مگر ان سب ترغیبات کے باوجود میں نے انکار کر دیا۔ الیکشن میں شکست کھا گیا اور پھر مشرقی پاکستان کی جگہ بنگلہ دیش ابھر آیا۔ یہ ہماری تاریخ کا عظیم ترین المیہ تھا۔ بنگلہ دیش بنائے جانے کے خلاف ہم نے تحریک چلائی۔ اس دوران میرے بہت سے ساتھی شہید کر دیے گئے۔ ان دنوں مشرقی پاکستان میں پاکستان آرمی کو دیہاتوں اور قصبات میں ایک گلاس پانی کا نہیں ملتا تھا۔ میں نے ایک انجمن بنائی۔ اس میں زیادہ تر میرے سٹوڈنٹ تھے اور وہ سب بہاری تھے۔ ان لوگوں کو میں نے فوجی ٹریننگ دلائی "البدر" اور "الشمس" کے ساتھ ساتھ ہم نے پاک آرمی کی ہر جگہ مدد کی۔ ہم پاکستانی فوج کے شانہ بشانہ لڑے۔ اس زمانے میں شیخ مجیب نے اعلان کیا تھا کہ جو بھی متین ہاشمی کو گرفتار کرے گا، اسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا اور جس گھر سے اسے برآمد کیا جائے گا، اسے آگ لگا دی جائے گی اور سارے اہل خانہ کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے دو ماہ بعد تک میں ایک گاؤں سید پور میں روپوش رہا۔ اسی روپوشی کے زمانے میں قرآن کی برکت ملاحظہ کرنے کا ایک ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔ مکتی باہنی کے افسر میری تلاش میں سید پور کے اس گھر میں بھی آ گئے جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ انڈین آرمی کا ایک افسر بھی تھا۔ میں لحاف اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ گیا اور سورہ یاسین تلاوت کرنے لگا۔ اچانک مجھ پر گہری نیند طاری ہو گئی۔ جس کمرے میں، میں سویا پڑا تھا، وہ آٹھ مربع فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ میری آنکھ کھلی تو گھر والوں نے یہ حیرت انگیز واقعہ مجھے سنایا: "ہم تمہاری چارپائی پر بیٹھ گئے تھے کہ وہ لوگ تلاشی کے لیے اندر آ گئے۔ انہیں لحاف کے اندر سے تمہاری شیروانی کا ایک سرا دکھائی بھی دیا اور پوچھا کہ یہ کس کی ہے؟ کہا میرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹے کی ہے ، انہوں نے تمہاری چارپائی کے نیچے بھی جھانک کر دیکھا مگر تمہیں نہ دیکھ سکے اور یوں ناکام و نامراد چلے گئے ۔ میں سمجھتا ہوں اس روز خدا نے مجھے اپنے کلام پاک کے بدلے نئی زندگی عطا فرمائی تھی "۔

"محترم ، اس ہنگامۂ دار و گیر میں آپ کے اہل و عیال کہاں رہے آپ پاکستان کیسے پہنچے"؟

سید متین ہاشمی صاحب نے آہستہ سے مسکراتے ہوئے کہا :

"ڈھاکہ سے پروازیں بند ہونے سے صرف ایک دن پہلے میں نے گھر والوں کو کراچی بھیج دیا اور خود بھارت چلا گیا ۔ اگرچہ اخبارات نے گرفتاری کے لیے میری تصاویر پہلے صفحات پر شائع کیں مگر خدا نے ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک دی اور میں سخت حالات کا مقابلہ کرتا ہوا بھارت سے نیپال چلا گیا جہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان پہنچ گیا "۔

"پاکستان پہنچ کر روزی کے حصول کا بندوبست کیسے ہوا؟"

"خدا بڑا ہی کارساز ہے ۔ ہم درویش لوگ ہیں ۔ کھانے کی کتنی ضرورت تھی ؟ بچوں کو شروع ہی سے کم میں گزارا کرنے کی تربیت دی تھی ، وہ اس عالم کسمپرسی میں کام آگئی ۔ جامعہ محمدیہ ، (جھنگ) میں ملازمت مل گئی تھی ۔ تنخواہ ساڑھے آٹھ سو تھی ۔ تنگی کا زمانہ تھا مگر الحمدللہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے خدا نے بچا لیا ۔ ڈیڑھ سو خود رکھ لیتا ، بقیہ گھر والوں کو ارسال کر دیتا تھا ۔ پھر ۱۹۷۴ء میں یہاں دیال سنگھ لائبریری میں ریسرچ سیل قائم ہوا تھا ، لائبریری کے چیئرمین کرنل عبدالرشید صاحب نے مجھے بلایا اور اس سیل کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا ۔ تب سے اب تک اسی سے وابستہ ہوں "۔

"مولانا ، آپ نے الیکشن میں حصہ لیا جو مغربی طرز حکومت کا حصہ ہے ۔ اس طرح گویا آپ نے مغربی جمہوریت کو تسلیم کر لیا کہ یہی طریقہ ہمارے مذہبی اور ملکی مسائل کا حل ہے"؟

"یہ بات غلط ہے کہ میں مغربی جمہوریت کو اپنے تمام دینی اور ملکی مسائل کا حل سمجھتا ہوں ۔ جب میں نے انتخاب میں حصہ لیا تو اس وقت ، خدا شاہد ہے کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس طریقے سے اسلام دشمن اور پاکستان دشمنوں کا راستہ روک رہا ہوں ۔ حالانکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت یہ ہے کہ میں مغربی جمہوریت کو اسلام کے منافی اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ مولانا مودودیؒ نے بھی مغربی جمہوریت کی نفی ہے۔ مغربی جمہوریت کے خلاف میری جو رائے بنی ہے، اس کی تعمیر میں مولانا مودودیؒ کی تصانیف نے خاصا کردار ادا کیا ہے۔ یہ بات نوٹ کر لی جائے کہ مغربی جمہوریت کے ذریعے اسلام کی تنفیذ عمل میں نہیں آسکتی کیونکہ اس جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ، اس کا مخرج عوام ہیں، جبکہ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا مالک خدا تعالیٰ ہے۔ گویا اسلام کی تنفیذ اور مغربی جمہوریت ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرسکتیں۔"

"محترم ہاشمی صاحب، آپنے فرمایا...... اور اس سے پہلے کہ میرا سوال مکمل ہوتا، متین ہاشمی صاحب نے متانت سے فرمایا! "برخوردار! میں تو تھک گیا ہوں۔ آج خاصی باتیں ہوگئی ہیں، کل انشاء اللہ اسی وقت، بعد از ظہر آپ سے بقیہ باتیں ہوں گی۔ اب چائے پیتے ہیں۔"

چائے پیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کل میں جلدی آجاؤں گا اور فلاں فلاں موضوع پر سوال کروں گا۔ مگر وائے قسمت کہ وہ "کل" نہ آیا۔ فالج کے حملے نے ان کی عملی زندگی کو بالکل معطل کر کے رکھ دیا تھا۔ تین بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر تیزی سے بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر مجھے ادھورے انٹرویو کی تکمیل کی جرأت نہ ہوسکی۔ جناب ہاشمی کی زندگی کے آخری ایام واقعتاً بڑے تلخ تھے، انہیں بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی مگر اس مرد درویش نے کسی کے سامنے اپنی حاجت بیان نہ کی۔ خدا نے زندگی کے آخری لمحات تک انہیں استقلال بخشے رکھا۔ ۱۰ جنوری جمعہ کی رات نو بجے کے خبرنامے میں ان کے انتقال کی خبر سنی تو یکدم محسوس ہوا کہ ہم سے علم و محبت کی متاع گراں چھین لی گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

© rasailojaraid.com